تاریخ قرآن اور مستشرقین، علمی وتنقیدی جائزہ

دوست محمد خان*

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری، مکمل اور جامع کتاب ہے جو نبی کریم ﷺ پر انسانیت کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی۔ ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں اور وحی الٰہی کے جو الفاظ تھے نبی کریم ﷺ نے بعینہٖ انہیں الفاظ کو مسلمانوں تک پہنچایا۔ اُن آسمانی الفاظ کے بجائے دوسرے لفظوں کو رکھنا خواہ وہ آسمانی نازل شدہ الفاظ کے ہم معنی یا مترادف کیوں نہ ہوں، نہ نبی کریم ﷺ سے ممکن تھا اور نہ کوئی مسلمان اس کا سوچ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کتاب (قرآن کریم) کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ (۱)

”ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں“

اور ساتھ ہی اس کے کسی غلطی یا تغیر وتبدل سے محفوظ و ماموں ہونے کا اعلان فرمایا:

﴿لَا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ﴾ (۲)

”باطل نہ اس پر سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ان مستقل ضمانتوں کے ہوتے ہوئے مسلمانانِ عالم نے قرآن مجید کی حفاظت کے سلسلے میں عالمِ اسباب میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور یہی وجہ ہے کہ ساڑھے چودہ سو سال گزرنے کے باوجود مسلمانوں کا ایمان ہے کہ قرآن مجید جس جس طرح اور جیسے جیسے نبی کریم ﷺ پر جبرئیل امین کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا آج بھی موجود ہے۔ صحیفوں میں ہونے کے ساتھ ساتھ لاکھوں مسلمانوں کے سینوں میں بھی اسی طرح محفوظ وماَ مون ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود قرآن مجید کے مقام ومرتبے کے حوالے سے اس کے نزول کے زمانے میں مشرکین مکہ نے اس کی شدید مخالفت کی۔ خود مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو قرآن کریم سے دور رکھنے اور بدگمان کرنے کیلئے طرح طرح کی چالیں چلیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور اسلام قرآن کریم کے سچے احکامات وتعلیمات کے زور پر ایک کثیر آبادی کا دین بنا اور اسی دین (اسلام) کی رو سے مسلمانانِ دنیا کے ایک قابل ذکر رقبے پر حکومت کرنے لگے۔ لیکن جب مسلمانانِ عالم نے اسی قرآن اور تعلیمات رسول ﷺ پر عمل کرنا ترک کیا تو وہ سیاسی زوال کا شکار ہو کر

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پشاور، پاکستان

مغرب کی سیاسی یلغار کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ اسی دور میں قرآن کریم کو مخالفین ومعاندین کے ایک ایسے گروہ کا سامنا کرنا پڑا جو کفار مکہ سے بھی کہیں زیادہ تعصب اور انکار حقیقت کے طوفان میں گھرا ہوا تھا۔ یہ گروہ مستشرقین کا گروہ تھا اس نے قرآن کریم پر تحقیقی اور علمی لبادے اوڑھ کر کتمانِ حق اور مسخِ حقائق کی تمام حدود پھلانگتے ہوئے قرآن مجید کے بارے میں ایسی بے سروپا باتیں کیں کہ فہم وشعور رکھنے والا ہر شخص انگشت بدنداں رہ گیا۔ انہوں نے قرآن مجید کے بارے میں مشرکین مکہ کے اعتراضات کو دہرانے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت اور زمانے کے معاشرتی، سماجی اور سیاسی اصولوں اور قوانین کا استعمال کرتے ہوئے قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ کی تالیف اور اس میں بھی پھر صحابہ کرامؓ کی طرف سے تحریف واضافے ثابت کرنے کیلئے اپنے ہاں کے طرز تحقیق کے مطابق دلائل گھڑے ہیں۔ سطور ذیل میں مستشرقین کی اسی جسارت کا تجزیہ، دلائل وشواہد کی روشنی میں پیش کیا جائیگا لیکن اس سے پہلے مناسب رہیگا کہ مستشرقین کے گروہ کے ان افراد کا ذکر کیا جائے جنہوں نے یورپ میں قرآن کریم کے حوالے سے علمی تنقید کی بنیادیں رکھیں اور انہیں بنیادوں پر بعد میں آنے والوں نے رنگین اضافے کئے:

اسلامی ملکوں پر مغربی استیلاء کے بعد مغرب میں یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی کہ سیاسی طور پر مغلوب اقوام کے عقائد، تہذیب وتمدن اور تاریخ ولسانیات سے واقفیت حاصل کئے بغیر اقتدار کو طول دینا مشکل ہوگا۔ اسی ضرورت کے تحت بلاد مغرب میں مشرقی ملکوں بالخصوص اسلامی ملکوں کا تحقیقی مطالعہ شروع ہوا۔ ابتدائی مرحلے میں مستشرقین نے مشرقی زبانوں اور ان کے آداب وقواعد کی طرف توجہ کی اسکے بعد تاریخ وتمدن پر طبع آزمائی شروع ہوئی۔ مذاہب وادیان پر بحث وتحقیق اگرچہ ان کے دائرہ تحقیق سے کلیتہً خارج نہ تھی لیکن ایک مدت تک اکا دکا بے بنیاد مفروضات اور اعتراضات کے سوا اس موضوع پر خصوصی اور مستقل توجہ نہ دی جا سکی لیکن جب زبان وادب اور تاریخ و تمدن کے گوشے کھنگالے گئے تو ان کی توجہ بتدریج دینی علوم کی طرف منعطف ہونا شروع ہوئی اور اس توجہ کے نتیجے میں انیسویں صدی کے وسط میں بلادِ مغرب کی اکثر جامعات میں ''اسلامک سٹڈیز'' نے ایک مستقل شعبہ کی حیثیت اختیار کر لی۔ ان شعبہ جات کے تحت مربوط ومستقل تحقیقی کام کے حوالے سے اور پھر خاص کر قرآن کریم کے حوالے سے جس شخص کا نام یورپ میں سرخیل مستشرق کے طور پر لیا جا سکتا ہے وہ مشہور مستشرق تھیوڈر نولڈیکہ یا نولڈیکے (Theordor Noldeke) ہے۔ آپ کو آپ کے ٹھوس اور معروض علمی تحقیق کے باعث اپنے زمانے کا امام المستشرقین مانا جاتا ہے۔ یورپ میں قرآن کریم کے حوالے سے زبردست علمی بحث کا آغاز آپ کی مشہور زمانہ تصنیف ''تاریخ القرآن'' "Geschichte des Qur'ans" مطبوعہ ۱۸۶۰ء سے شروع ہوئی۔ اس کتاب کے ذریعے نولڈیکے نے یورپ میں گویا اسلامک سٹڈیز کے حوالے سے پہلا سنگِ بنیاد رکھا۔ اور اس کے بعد یورپ میں قرآنی مباحث کی ابتداء علمی انداز

میں ہوئی۔ اس تصنیف کے ایک سال بعد ۱۸۶۱ء میں سر ولیم میور (Sir William Muer) کی تصنیف ''لائف آف محمدؐ'' (Life of Muhammad) چار ضخیم جلدوں میں لندن سے شائع ہو کر منظر عام پر آئی جس میں نبی کریم ﷺ کی سوانح حیات کے ساتھ ساتھ ''وحی'' پر ایسے اعتراضات کئے گئے جس کے ذریعے قرآن کی بنیادوں کو ہلانے کی مذموم کوششیں کی گئیں۔ (۳)

نولڈیکے نے اپنی تصنیف میں قرآن مجید کی جمع وتدوین، مکی ومدنی سورتوں کی تقسیم اور ان کے مضامین پر بحث کے ساتھ ساتھ سورتوں کی ترتیب نزولی پر بھی بحث کی۔ نولڈیکے سے پہلے ۱۸۴۴ء میں گستاو وائل (Gustaveweil) نے سورتوں کی ترتیبی نزول کے حوالے سے شکوک کا اظہار کیا تھا لیکن اس میں جامعیت کا فقدان تھا اور نولڈیکے نے بڑی جامعیت کے ساتھ مباحث پیش کیں ان مباحث کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں عیسائی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ خالص علمی انداز میں گفتگو ہوئی تھی۔ نولڈیکے کی علوم اسلامی کی طرف خالص علمی اپروچ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

> ''تمام انبیاء میں سے رسول عربیؐ سب سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئے۔'' (۴)

اگرچہ یہ رائے کوئی نئی چیز نہیں تھی بلکہ ایک ناقابل انکار حقیقت پر مبنی تھی، لیکن اس قسم کا واشگاف اعتراف یورپی دنیا میں پروفیسر نولڈیکہ کی علمی دیانت اور ان کی ذاتی عظمت کی دلیل ہے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اس بحث کو آگے نہیں بڑھایا۔ اگر اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کی کامیابی کے اسباب پر بحث آگے بڑھاتے تو لامحالہ آپ کی ملاقات نبی کریم ﷺ کی ناقابل فراموش اور مسحور کن شخصیت سے ہوتی جس کے ذریعے اسلام کی حقانیت آپ پر واضح ہوتی لیکن آپ نے اپنی مشہور تصنیف میں قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب اور جمع وتدوین پر اپنی توانائیاں مرکوز کر لیں جس میں وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ چونکہ جمع وتدوین کے مراحل میں بہت سی کڑیاں مفقود ہیں لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد قرآن کے بعض حصے ضائع ہو گئے ہیں۔

پروفیسر نولڈیکہ نے جس بحث کا آغاز کیا اس کو آپ کے لائق شاگرد پروفیسر شوالی (Schwally) نے آگے بڑھا کر قرآن مجید کے متن اور مختلف قراءات کے حوالے سے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ نولڈیکہ سے پہلے اگرچہ یورپ میں قرآن کے حوالے سے کچھ بنیادی نوعیت کا کام ہوا تھا جس میں زیادہ تر قرونِ وسطی کے طرز پر اعتراضات اُٹھائے گئے تھے مثلاً جارج سیل (G. Sale) نے ۱۷۳۴ء میں قرآن کریم کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا۔ جس نے ترجمے کی غلطیوں کے ساتھ ساتھ مقدمۂ ترجمہ ہی میں قرونِ وسطی کے اعتراضات بھی دہرا دئے۔ مثلاً مقدمۂ ترجمۂ قرآن میں لکھتا ہے:

"That Muhammad was really the author and Chief Contriever of the Koran is beyond dispute; though it be highly probable that he had no small assistance in his design from others, as his countrymen failed not to object to him; however they differed so much in their conjecture as to the particular person who gave him such assistance; that they were not able, it seems, to prove the charge; Muhammad, it is to be presumed, having taken his measures too well to be discovered."(5)

دکتور محمد عبداللہ الشرقاوی نے جارج سیل کے اس مقدمۂ ترجمہ قرآن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”و تأمل ماتخرص به جورج سيل (George Sale) فى مقدمة ترجمة الانجيزية لمعانى القرآن الكريم التى صدرت عام ١٧٣٦م: أما أن محمدًا كان فى الحقيقة مؤلف القرآن والمخترع الرئيسى له فأمر لايقبل الجدل، و ان كان من المرجع، مع ذلک، أن المعاونة التى حصل عليها من غيره، فى خطته هذه“ (٦)

جورج سیل کے اس ترجمے کے بعد یورپ میں قرآن کریم کے حوالے سے مندرجہ ذیل کتب خاص اہمیت کی حامل ہیں جس میں نولڈیکے کی ”تاریخ القرآن“ بنیادی حیثیت رکھتی ہے:

(1) G. Fliigel, Corani Textus arabicus, (1834).

(2) E.H. Palmer, The Qur'an in Sacred Bodes of the East,(1880)

(3) G.Weil, Historischa Kritische Einleitunge in den Qur'an (1860)

(4) Theodor Noldeke, Geschichte des Qur'an, (1860)

(5) H. Hirschfeld, New Researches in the composition and Exegesis of the Qur'an (1902)

(6) A. Springer, Das Leben and die Lehre Muhammad (1869)

(7) Caitani, Annali dell Islam (1905)

(8) Ignaz Goldziher, Die Richtungen der Islamichen Koran anslegung."(7)

ان کتب میں گو زیادہ تر کتب جرمن زبان میں لکھی ہوئی ہیں لیکن انسائیکلوپیڈیا آف اسلام اور برٹانیکا میں ان کے جو اقتباسات دیئے گئے ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب مصنفین نولڈیکے ہی کے موضوعات کو زبان و اسلوب کی تبدیلی کے ساتھ آگے پیچھے کرتے رہے ہیں۔ اِن مختلف دوائر اور مستشرقین کی دیگر بے شمار تصانیف میں قرآن کریم سے متعلق اعتراضات کو اگر ترتیب وار لانے کی کوشش کی جائے تو مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱- نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن مجید کتابی صورت میں (یعنی لکھا ہوا) موجود نہ تھا۔ (۸)

۲- نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد تدوین قرآن کے مختلف مراحل میں بہت سا قرآن ضائع ہو گیا۔ (۹)

۳- حفاظتِ قرآن مجید کا دارو مدار صرف حفظ پر تھا۔ (۱۰)

۴- جن اشیاء پر قرآن کریم کی کتابت ہوتی تھی وہ قرآن پاک کی کتابت کے حوالے سے ناقابل اعتبار ہیں۔ (۱۱)

۵- تدوین قرآن کریم کی روایات میں اختلاف اور اضطراب ہے لہٰذا ناقابل اعتبار ہیں۔ (۱۲)

۶- آپؐ سنے سنائے واقعات لکھا کرتے تھے۔ اس لئے قرآن مجید کی ترتیب میں اغلاط کے ساتھ ساتھ بہت سے واقعات بھی غلط طور پر بیان ہوئے ہیں۔ (۱۳)

۷- عہد نبوی میں ہی قرآن کریم میں اختلافات پائے جانے لگے تھے۔ (۱۴)

۸- قرآن مجید کے متن کی تحقیق کے لئے مسلمانوں نے کبھی کوشش نہیں کی اور یہ کام ابھی تک اپنے ابتدائی مرحلے ہی میں ہے۔ (۱۵)

مندرجہ بالا نکات جو مستشرقین نے اٹھائے ہیں، بالترتیب زیر بحث لائیں جائیں گے لیکن اس سے پہلے "First Encyclopaedia of Islam" میں قرآن کریم سے متعلق چند مستشرقین کی آراء نقل کی جاتی ہیں جس سے مزید واضح ہو جائیگا کہ مستشرقین قرآن کریم کے متعلق کتنی غلط فہمیوں، یا تعصب کا شکار ہیں؟ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے مذکورہ بالا انسائیکلو پیڈیا میں ہے:

> "With the death of the Prophet the position was radically altered. The source of revelations ceased to flow, and the believers in cases of doubt had no one whom they might consult, as no one had inherited Muhammad's Prophetic

gift. The discourses left by him thus acquired increased importance, for in them spoke the Prophet or rather God through him to his Community, if they were able to interpret his words correctly. Ths task therefore naturally presented itself of collecting his valuable legacy in as complete and accurate a form as possible and preserving it from destruction. This obvious development is also confirmed by the traditions but unfortunately in a way which leaves much obscure."(16)

اس ایک پیرگراف میں تین بہت خطرناک اور گمراہ کن باتیں بیان کی گئی ہیں:

"نبی کریم ﷺ کے پیغمبرانہ مشن کا کوئی وارث آپؐ کی وفات کے بعد نہ تھا لہٰذا کسی معاملے کے متعلق شک پیدا ہونے کی صورت میں لوگوں کو مشورہ دینے والا کوئی نہ تھا۔"

اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾(۱۷)

"لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔"

لہٰذا مستشرقین کا مطلب آپؐ کے بعد آپؐ کے (Prophetic Mission) کے وارث سے مراد کوئی اور پیغمبر ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کے بعد قیامت تک کوئی نہیں ہوسکتا اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ آپؐ نے جس مشن کی دعوت دی تھی وہی "Prophetic Mission" ہے تو اس کے وارث اس وقت یعنی نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد میں دنیا میں موجود تھے۔ لیکن چونکہ بات قرآن کریم کے حوالے سے ہو رہی ہے لہٰذا اگر حفاظت قرآن کریم کے حوالے سے بات کیجائے تو آپؐ کی وفات کے بعد پورا قرآن مجید لکھی ہوئی صورت میں موجود ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے صحابہؓ کو حفظ بھی ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن کو رسول کریم ﷺ کی وفات سے بہت پہلے مکمل کر کے رسول ﷺ اور صحابہؓ ہی کے ہاتھوں سے اس کو مرتب و مدون کرا دیا تھا۔ جب ہی تو قرآن کریم کے متعلق فرمایا گیا:

﴿بَلْ هُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِی صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ (۱۸)

"بلکہ وہ (قرآن) واضح نشانیاں ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے۔"

اس پر مستزاد یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کے وہ ارشاداتِ گرامی بھی ملحوظ رکھے جائیں جن میں اس نے خود قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو پھر اس بات پر مزید بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی، کہ نبی کریم ﷺ کا پیغمبرانہ مشن، دونوں طرح سے یعنی کتابی صورت میں بھی اور حفظ کی صورت میں بھی مکمل طور پر محفوظ تھا لہٰذا مسلمانانِ عالم اس مشن کے وارث ہیں اور صحابہ کرامؓ اس کے اولین وارث تھے۔ (۱۹)

ان ہی مقدس ورثاء کے طفیل آج بھی پیغمبرانہ مشن کے لاکھوں کروڑوں ورثاء موجود ہیں اور قرآن کریم ان کے ہاتھوں کتابی اور صدری صورت میں ویسے ہی محفوظ و مامون ہے جیسے نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں تھا۔

مستشرقین کا دوسرا نکتہ اس سے بھی زیادہ خطرناک مضمرات کا حامل ہے جو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپؐ کی تقاریر (Discourses) کی اہمیت میں اضافہ ہوگیا کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ ان کے رسولؐ یا خدا کے الفاظ پر مشتمل تقاریر تھیں لہٰذا انہوں نے اس کو محفوظ کرنے کی کوششیں شروع کردیں، اگر وہ آپؐ کے الفاظ کو صحیح طور پر Interpret کرنے کے قابل ہوتے (If they were able to interpret them correctly)۔

اس بیان کے ذریعے مستشرقین ایک طرف قرآن کریم کے الفاظ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں نبی کریم ﷺ کے الفاظ (احادیث) کے ساتھ خلط ملط کرنے کے آرزومند ہیں اور دوسری طرف صحابہ کرامؓ کی اس صلاحیت پر شک وارد کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کما حقہ آپؐ کے چھوڑے ہوئے قرآن کریم کو من وعن محفوظ نہ رکھ سکے۔ جبکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سینکڑوں حفاظ صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ جنہیں مکمل قرآن کریم یاد تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے گورنروں کو حکم بھیجا کہ اپنے اپنے علاقے میں قرآن کے حفاظ کی فہرستیں فراہم کردیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اکیلے اپنے علاقے سے تین سو حفاظ کی فہرست ارسال کی تھی۔ (۲۰)

مشہور مستشرق ولیم میور نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ قرآن کریم نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں کتابی صورت میں مدون ہو چکا تھا۔ "مگر ہم اہل عرب کے اس مافوق الفطرت قوتِ حافظہ کے باوجود یہ بات نہیں مانتے کہ صرف لوگوں کے حافظہ ہی کی بنیاد پر قرآن کریم محفوظ رہ گیا، بلکہ ہمارے سامنے ایسے دلائل وشواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے اصحاب میں سے اکثر نے اپنے پیغمبر کے زندگی ہی میں قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتیں لکھ لی تھیں جس کے مجموعہ میں پورا قرآن سمٹ آیا۔ (۲۱)

تیسرے نکتے میں احادیث کے مطابق جمع قرآن کے طریقہ کار اور مراحل کو "Obscure" قرار دیا ہے

حالانکہ مندرجہ بالا دلائل ہی سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جمع قرآن میں کسی قسم کی Obscurity واقع نہیں ہوئی تھی۔

مسلمانوں کے ہاں چونکہ خود جمع و تدوین قرآن کریم اور حروف سبعہ کے حوالے سے ایک سے زیادہ نقطۂ ہائے نظر موجود ہیں اور پھر ان میں واضح تضادات بھی ہیں لہٰذا مستشرقین نے انہی دریچوں سے داخل ہو کر پوری عمارت کی بنیادیں ڈھانے کی کوششیں کی ہیں۔ مثلاً جمع قرآن کے حوالے سے مشہور نقطہ نظر یہی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی توجہ اس طرف دلائی اور حضرت ابوبکرؓ نے آخر کار حضرت عمر فاروقؓ سے متفق ہو کر حضرت زید بن ثابتؓ کو اس عظیم کام پر مامور فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے کہا تھا کہ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جایئے اور جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصہ پر دو گواہ پیش کرے تو وہ حصہ قلم بند کیجئے۔'' (۲۲)

امام بخاریؒ کی ایک روایت سے، جو انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے نقل کی ہے، واضح ہوتا ہے کہ جن صحیفوں میں قرآن جمع کیا گیا تھا وہ پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس رہے جب آپؓ نے وفات پائی تو خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ ان کی حفاظت کرتے رہے۔ (۲۳)

جبکہ مشہور اطالوی مستشرق کیتانی (Caitani) ابن سعد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "and indeed we are told (Ibn Sa'ad, III/i, 212, 4) That 'Omar died before the task was completed."(24)

انہی اختلاف روایات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مذکورہ مستشرق لکھتے ہیں:

> "Those who fell in the battle with Musailima were, according to the lists, which have been handed down, mainly new converts, none of whom could be expected to have an extensive knowledge of the Kur'an (sic). If the whole story is therefore rendered uncertain, it becomes more important to note that there are other traditions, according to which it was 'Omar himself who ordered and supervised the collection."(25)

اس کے ساتھ ہی ابن سعد کی روایت جس میں حضرت عمر فاروقؓ جمع قرآن سے پہلے وفات پاتے ہیں۔ آپس میں واضح طور پر متضاد ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ابن سعد کی روایت وفات صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

کے اہتمام سے جمع وتدوین قرآن کا کام ایک سال کی مدت میں تکمیل پذیر ہوا اور جنگ یمامہ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے درمیان ایک سال کی مدت تھی۔ کیونکہ (اگر یہ روایت صحیح ہے تو) آپؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جنگ یمامہ کے بعد جمع قرآن پر مامور فرمایا تھا۔ (۲۶)

اس کے علاوہ بخاری ومسلم میں جمع قرآن کے حوالے سے یہ روایات موجود ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جمع کردہ قرآن کریم آپؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہا اور آپؓ کی وفات کے بعد وہ مصحف حضرت حفصہؓ کے پاس آیا۔ اسی مصحف کو پھر حضرت عثمانؓ نے نقل کرانے کی غرض سے حضرت حفصہؓ سے منگوایا تھا۔ لیکن چونکہ اس کے مقابلے میں ایسی روایات بھی موجود ہیں کہ حضرت حفصہؓ کے پاس جو مصحف تھا وہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں کتابی صورت پانے والا مصحف تھا جسے امام یا ام کے نام سے پکارا جاتا تھا، لہٰذا یہ روایت سرے سے جمع قرآن بعہد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بعد میں بعہد حضرت عثمانؓ والی روایات کو ختم کردیتی ہے۔ (۲۷) مراد میری یہ تھی کہ چونکہ اس حوالے سے ہمارے ہاں کی روایات میں بہت زیادہ اختلافات ہیں جن سے مستشرقین نے فائدہ اٹھایا ہے اور مذکورہ بالا مستشرق بات کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "As it is easier to understand how such a pious work could have been anedated than that it could have been transferred from Abu Bakr to his successor, the second story is perhaps somewhat more probable, although the mechanical way in which 'Omar is said to have tested the genuineness of the separate parts (if they were known to two authorities) does not sound very trustworthy."(28)

دراصل مستشرقین کو اسلامی موضوعات کی خاص اصطلاحات اور طریقۂ کار کے متعلق بنیادی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ جس کی بناء پر وہ بہت فاش غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مسلمان سیرت نگاروں، مؤرخین اور دیگر علمائے کرام کا علمی تحقیق کے دوران اکثر یہ مؤقف رہا ہے کہ وہ ایک موضوع، مسئلہ یا مضمون کے متعلق مختلف حضرات کا مؤقف دیانتداری کے ساتھ بیان کرلیتے ہیں پھر اس کے بعد اپنا مؤقف دلائل کے ساتھ آگے رکھ لیتے ہیں اور فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں کہ جس مؤقف سے وہ زیادہ مطمئن ہوں اسی کے مطابق وہ آگے بڑھیں۔ فقہ اسلامی کے حوالے سے علماء کرام کے درمیان یہی طریقہ رہا ہے کہ مثلاً حنفی مسلک کا عالم دیگر مسالک کے ائمۂ کرام کا نقطۂ نظر بھی سامنے لاتے

ہیں تا کہ مسئلہ مذکورہ کے تمام پہلو سائل کے سامنے بصراحت آ جائیں۔ لیکن مستشرقین کے سامنے جب اس قسم کی مختلف آراء آ جاتی ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان چونکہ اس مسئلے پر متفق نہیں لہٰذا یہ اختلاف موضوع مذکورہ میں شکوک وشبہات کی بناء پر واقع ہوا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا، مسلمان مؤرخ اپنے مؤقف کے بیان کرنے کے ساتھ ہی دیگر لوگوں کا مؤقف صرف علمی دیانتداری کا پاس رکھتے ہوئے قاری کیلئے آسانی پیدا کرنے کی غرض سے بیان کر لیتے ہیں ورنہ جب کسی مسئلہ پر مسلمان ائمہ وفقہاء کا اجماع ہو جاتا ہے تو اس میں مختلف آراء کی موجودگی کا مطلب علمی مذاکرے کو وسعت دینے کے سوا کچھ نہیں ہوتا، مثلاً کتاب اللہ کے نام ''القرآن'' کے مادہ اشتقاق اور مطلب ومفہوم پر مسلمان علماء کے درمیان ایک سے زیادہ آراء موجود ہیں لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں لیا جاسکتا کہ مسلمان علماء لفظ قرآن کے مصدر و ماخذ یا معنی و مفہوم سے بے خبر ہیں یا ان کے درمیان یہ اختلاف اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ وہ کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پاتے۔ لفظ ''قرآن'' کے متعلق ڈاکٹر صبحی صالح تین مختلف علماء کرام کے نظریات کا ذکر یوں کرتے ہیں:

> ''لقد ذهب العلماء فی لفظ ''القرآن'' مذاهب، فهو عند بعضهم مهموز و عند بعضهم غير مهموز، فمن رأى انه بغير همز فهم الشافعي و الفراء و الاشعری.
>
> يقول الشافعي: إن لفظ القرآن المعرف بأل ليس مشتقاً و لا مهموزاً. بل ارتجل و وضع علماً على الكلام المنزل على النبیﷺ.
>
> و يقول الفراء: انه مشتق من القرائن، جمع قرينة، لأن آياته يشبه بعضها بعضا فكأن بعضها قرينة على بعض،
>
> و يقول الاشعری وأقوام يتابعونه على رأيه: انه مشتق من ''قرن الشئ باشئ، إذا ضمه إليه. لأن السور والآيات تقرن فيه و يضم بعضها الى بعض''.

اس کے علاوہ اور بھی کئی آراء کا ذکر کیا ہے مثلاً یقول الزجاج:

> '' إنَّ لفظ ''القرآن'' مهموز على وزن فعلان، مشتق من القراء بمعنى الجمع ومنه قرأ الماء فی الحوض إذا جمعه، لانه جمع ثمرات الكتب السابقة.
>
> و يقول اللحيانی: انه مصدر مهموز بوزن الغفران، مشتق من قرأ بمعنى تلا، سمى به المقروء تسمية للمفعول بالمصدر.

ان آراء کے ذکر کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> والأخير أقوى الأمراء وأرجحها، فالقرآن فی اللغة مصدر مرادف للقراءة (۲۹)

ومنہ قولہ تعالیٰ:

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ (۳۰)

مندرجہ بالا آراء میں سے دکتور موصوف نے آخری رائے کو مرجح قرار دیا ہے اور مسلمانان عالم کے ہاں بھی اتفاق اسی بات پر ہے کہ چونکہ یہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے لہٰذا لفظ ''قرآن'' کے مشہور معنی تلاوت، قراءت اور پڑھنے کے ہیں۔ اس لئے بعض کا خیال ہے کہ آیت قرآنی ''علم القرآن'' میں القرآن کے معنی القراءۃ یعنی پڑھنے کے ہیں: (۳۱)

لفظ قرآن کی یہ تمام تعبیرات قرآن کریم کے کسی نہ کسی پہلو کی افادیت اور صفت کا اظہار ہیں اور علمائے اسلام نے بھرپور علمی امانت و دیانت کے ساتھ اپنی آراء کا اظہار کیا ہے لیکن مستشرقین کے سامنے جب قرآن کریم کے اسم مبارک ''قرآن'' کے متعلق علمائے کرام کی مختلف آراء سامنے آئیں تو انہوں نے اس کے متعلق پہلا جملہ جو لکھا اس سے بدیہی طور پر اس موضوع کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان عدم اتفاق اور پریشان حالی سامنے آتی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام نے لکھا ہے:

> "Even among the Muslims there is no unanimity regarding the pronunciation, derivation and meaning of the word. Some pronounced it Kuran without Hamza and saw in it a proper noun not occurring else where, like tawrat and indjil or they derived it from karana as to tie together.........

اس بحث میں دیگر مختلف مسلمان علماء کی آراء کا ذکر کرنے کے بعد مقالہ نگار مشہور مستشرقین ولہاؤزن (Wellhausen)، شوالی (یا عربی میں شغالی) (Schally) اور (E.Meyer) کے حوالے دیکر جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ یوں ہے:

> "We should have to imagine that Allah actually read to the Prophet out of the heavenly book, but even then the further use of the word is no easier explained. It is in any case quite absurd for E. Meyer to explain the Kur'an as a book read by Muhammad, for the heavenly book, the

> contents of which were communicated to him, was really a concealed book and he heard the voice of Allah and read nothing (XCVI, I not with standing). It was rather the case that Kur'an was made intelligible to him by Allah making it into an Arabic Kur'an i.e. translating it into Arabic."(32)

اس اقتباس سے جو نکات سامنے آئے ہیں ان کو خط کشیدہ کرکے ظاہر کیا گیا ہے اور ان الفاظ پر غور کرنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین مسلمانوں کے کسی موضوع سے متعلق مختلف فیہ آراء کا کس طرح استحصال کرتے ہیں پہلی بات یہ کہ "E. Meyer" کو یہ بات نامعقول نظر آتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے قرآن پڑھا تھا۔ کیونکہ اس آسمانی کتاب کے مضامین و مفاہیم آپؐ پر اتارے گئے تھے اور یہ کتاب (قرآن) ایک خفیہ، پوشیدہ آسمانی کتاب تھی اور آپؐ نے صرف اللہ تعالیٰ کی آواز سنی اور پڑھا کچھ نہیں۔ میئر کے نزدیک نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصوراتی طور پر دیا گیا اور آپؐ نے اس تصور کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔ یہ تمام افتراءات لفظ ''قرآن'' کے معانی کی تشریح کرتے ہوئے گھڑے گئے ہیں اس کیلئے مستشرق موصوف نے جو دلیل دی ہے وہ قرآن کریم کی پہلی نازل شدہ آیت ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ ہے۔ موصوف اس آیت کا حوالہ دیتے ہوئے قوس میں لفظ (not with standing) لکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کا آمنا سامنا نہیں ہوا لہٰذا قرآن کو نہیں پڑھا۔

مستشرقین کے اس تصور پر اگر گہرائی کے ساتھ غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ اسلامی موضوعات اور معلومات کی بہت سی بنیادی اصطلاحات اور امور سے ناواقف ہیں لہٰذا اس قسم کی بے بنیاد غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔

جہاں تک لفظ ''قرآن'' سے تلاوت یا بصیغۂ مبالغہ بار بار پڑھی جانے والی کتاب کے مفہوم کا تعلق ہے اور اس سوال کا کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن پڑھا ہی نہیں بلکہ صرف خدائی پیغام کو عربی میں ترجمہ کرکے پیش کیا، قابل بحث ہی نہیں ہے، دراصل مستشرقین اس روزن کے ذریعے یہ بات آگے بڑھانا چاہتے ہیں کہ چونکہ قرآن سے متعلق مفہوم و تصور اللہ کا تھا اور الفاظ نبی کریم ﷺ کے تھے لہٰذا بندہ بشر ہونے کی حیثیت سے اس میں بہت کچھ کمی وبیشی کے علاوہ ذاتی خواہشات و مفادات کا عنصر بھی شامل ہوسکتا ہے جس طرح کہ عام مستشرقین کا خیال ہے۔ لیکن مستند روایات اور قرآن کریم کی داخلی شہادتوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ نبی کریم ﷺ سید الحفاظ تھے اور تمام مسلمانوں سے قرآن کریم کے سب سے زیادہ پڑھنے والے تھے اور جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوکر قرآن کریم کی ایک ایک

آیت آپ کو پڑھا چکے تھے اور وفات سے پہلے آخری بار پورا قرآن کریم دو بار پڑھا چکے تھے۔ (۳۳)

قرآن کریم کی پہلی آیت کی تفسیر میں علمائے کرام لکھتے ہیں کہ جب فرشتے (جبرئیل امین) نے حضورﷺ سے کہا کہ پڑھو، تو نبی کریمﷺ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نے وحی کے یہ الفاظ لکھی ہوئی صورت میں آپؐ کے سامنے پیش کئے تھے اور انہیں پڑھنے کیلئے کہا تھا۔ کیونکہ اگر فرشتے کی بات کا مطلب یہ ہوتا کہ جس طرح میں بولتا جاؤں آپؐ اسی طرح پڑھتے جائیں تو حضورﷺ کو یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ (۳۴)

اس تفسیر سے دو باتیں ثابت ہوئی ہیں:

۱- نبی کریمﷺ کے پاس وحی لکھی ہوئی صورت میں آتی تھی جس کے الفاظ اور معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل امین کے ذریعے آپ کو پہنچائے جاتے تھے۔

۲- یہ کہ وحی کا لکھی ہوئی صورت میں ہونا اس بات کا اشارہ تھا کہ اس کو کتابی صورت میں محفوظ کیا جانا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی کتابت کا کام نزولِ وحی کے ساتھ ساتھ ہی سرانجام دیا جا رہا تھا۔ اس پر قرآن مجید کی داخلی شہادت بھی موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾

اِن آیات کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ''آپؐ وحی کے الفاظ یاد کرنے کی کوشش میں جلدی نہ کیجئے بلکہ غور سے سنتے رہیں اسے یاد کرا دینا اور بعد میں ٹھیک ٹھیک آپ سے پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے، آپ مطمئن رہیں کہ اس کلام کا ایک لفظ بھی آپؐ نہ بھولیں گے اور نہ کبھی ادا کرنے میں غلطی کر سکیں گے۔'' (۳۵)

اس کے علاوہ قرآن پاک میں سورۂ الطّور آیت ۱-۳، سورۂ الواقعہ میں آیت ۷۷-۷۹، سورۂ عبس ۱۲-۱۶ سورۂ البینۃ ۲-۳ سورۂ البروج، ۲۱-۲۲، سورۂ الفرقان آیت ۵ میں قرآن کریم کی کتابی صورت میں حفاظت اور موجود ہونے کے دلائل موجود ہیں۔ نیز علاوہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲ میں قرآن کریم اپنے آپ کو ''الکتاب'' سے متعارف کراتا ہے۔ بخاری کی روایت کے مطابق نبی کریمﷺ نزول وحی کے بعد جس کام کیلئے سب سے زیادہ مستعد و بے چین ہوتے تھے وہ کتابت وحی کا مسئلہ ہوتا تھا۔ (۳۶)

اس کے علاوہ جبرئیلؑ، نبی کریمﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے اور آخری رمضان المبارک

میں دو مرتبہ دور کیا گیا۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسکا کوئی امکان موجود نہیں کہ قرآن کریم کا ایک حرف بھی کہیں ادھر ادھر ہوا ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو جبرئیلؑ آپ ؐ کو ضرور یاد کروا دیتے ہونگے۔ آپ ؐ آخری وحی کے نزول کے بعد تقریباً نوے روز تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ ان حالات میں اس بات کا کوئی واقعاتی امکان باقی نہیں رہ جاتا کہ آپؐ نے اتنے طویل عرصے تک قرآن مجید کا کوئی حصہ ویسے ہی چھوڑ رکھا ہوگا۔ (۳۷)

قرآن کریم کے جمع و تدوین سے متعلق ہمارے ہاں ایک روایت مختلف کتب احادیث و تاریخ میں پائی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں جو مصحف کتابی صورت میں مدون ہوا وہ آپؓ کی وفات تک آپ کے پاس رہا، آپؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہا اور آپؓ کی شہادت کے بعد یہ مصحف حضرت حفصہؓ کی تحویل میں آ گیا۔ (۳۸)

اسی واقعہ کو ڈاکٹر صبحی صالح نے بھی مستشرقین کے بعض اعتراضات کے ساتھ یوں نقل کیا ہے:

> ”وختام النص الذی رواه البخاری عن زید ینبئنا بأن الصحف التی جمع فیها القرآن کانت عند أبی بکرؓ حتی توفاه الله ، ثم صارت إلیٰ عمرو ظلت عندهٗ حتی توفاه الله، ثم صارت إلیٰ حفصة بنت عمر لا إلیٰ الخلیفة الجدید عثمانؓ، وقد أثارت ”دائرة المعارف الاسلامیة“ شبهة حول هذا الموضوع، فتساء لت: ألم یکن عثمان أجدر أن تودع هذه الصحف عنده؟ ونجیب: بل حفصة أولیٰ بذلک و أجدر، لان عمرا وصٰی بان تکون الصحف مودعة لدیها، وهی زوجة رسول الله أم المومنین، فضلاً علی حفظها القرآن کله فی صدرها وتمکنها من القراء ة والکتابة، وکان عمرؓ قد جعل أمر الخلافة شوری من بعده، فکیف یسلم إلی عثمانؓ هاتیک الصحف قبل أن یفکر أحد في اختیاره للخلافة؟

دکتور صبحی صالح نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا اعتراض مختصراً نقل کر کے اپنی طرف سے اس کا ایک معقول جواب بھی فراہم کیا ہے لیکن مستشرقین نے اس سے آگے بڑھ کر اسلام میں مرد اور عورت کے مقالے کے حوالے سے بات کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "On the other hand the realistic feature that the Sahuf came into the possession of Hafsa. But this very point raises other difficulties. If the Sahuf was to be an

authorised standard codex it is difficult to understand why it was given to a woman. G. Weil thinks that Hafsa was to take care of it but this could have been more safely done other ways; and if it was to be a standard MS from which copies could be made, it was quite inconvenient to leave it with Hafsa, as not every one had access to the widow of the Prophet."(39)

مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب کئی ایک مسلمان سیرت نگاروں نے فراہم کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں مولانا تمنا عمادی پھلواری نے جو تحقیق پیش کی ہے وہ قرآن کریم کے جمع و تدوین کے حوالے سے مستشرقین کے اٹھائے ہوئے تمام سوالات کیلئے کافی وشافی جواب ہے کیونکہ مولانا موصوف جمع قرآن بعہد صدیقؓ کو تسلیم ہی نہیں کرتے اور حضرت حفصہؓ کے ہاں موجود مصحف کو نبی کریمﷺ کے مقدس ہاتھوں سے جمع کردہ قرآن تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”رسول اللہﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی آپﷺ پر وحی آتی تھی تو آپؐ کاتبین وحی میں سے کسی حاضر و موجود کاتب کو نازل شدہ آیات اور سورتوں کے لکھ لینے کا حکم فرماتے تھے اور وہ آیتیں یا سورتیں کچھ اوراق پر لکھی جاتی تھیں جب چند اوراق پر ایک سورۃ مرتب ہوگئی تو وہ ایک صحیفہ ہوگیا چھوٹی چھوٹی متعدد سورتیں ایک صحیفے میں درج کرلی گئیں اس طرح متعدد صحیفوں میں پورا قرآن عہد نبویؐ میں مرتب ہو چکا تھا البتہ دوسرے حاضر الوقت صحابہ اپنے یاد کر لینے کے لئے وقتی طور پر کسی دوسری چیز پر لکھ لیتے تھے۔ نبی کریمﷺ نازل شدہ آیات اور سورتیں ہرن کی جھلی کے اوراق پر ہی لکھواتے تھے اور اس مجموعہ کو آپؐ ہجرت سے قبل بزمانہ قیام مکہ خود اپنی حفاظت میں رکھتے تھے۔ ہجرت کے بعد ابتدائی زمانے میں مسجد نبوی کے ستون سے لگا کر اس مصحف کو ایک صندوق میں مقفل رکھا جاتا تھا تاکہ حفظ کرنے والے اس سے استفادہ کرسکیں اور نقل کرنے والے نقل کرسکیں۔ اس لئے اس ستون کا نام ”اسطوانۃ المصحف“ پڑ گیا۔ مگر جب مدینہ میں منافقین کی ریشہ دوانیاں شروع ہوگئیں تو پھر یہ مصحف ان کی دست درازی سے محفوظ رکھنے کے خیال سے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس آنحضرتﷺ رکھوانے لگے کیونکہ وہ ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ لکھی

پڑھی تھی، ان کو شفاء بنت عبداللہ بن عبدشمس بن خلف نے کتابت کی تعلیم دی تھی۔ (۴۰)

اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت شفاء سے کتابت سیکھنے کے بعد حضرت حفصہؓ نے دوسری ازواج مطہرات کو بھی کتابت کی تعلیم دی ہوگی۔ کیونکہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم خود رسول کریم ﷺ فرماتے تھے تو ناممکن ہے کہ اپنی ازواج مطہرات کو تعلیم نہ دلوائی ہو، لیکن حضرت حفصہؓ کی مہارت چونکہ دوسری ازواج مطہرات سے زیادہ تھی اس لئے صحیفہ نبویؐ کی آمین یہی بنائی گئیں۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں حضرت حفصہؓ کو اس قرآن کا (جس کا نام آپؐ نے امام رکھا تھا اور اس کو ام بھی کہا جاتا تھا) آمین بنایا تھا اس لئے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بھی وہ مصحف ''امام'' حضرت حفصہؓ کی زندگی تک حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔ خلفائے راشدینؓ نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد امانت مصحف ''امام'' کا یہ منصب اب حضرت حفصہؓ سے اپنی طرف منتقل کرلیا جائے تو حضرت حفصہؓ کے پاس وہی مصحف تھا جو کاتبین وحی سے نزول آیات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھوایا جاتا تھا۔ (۴۱)

اس کے علاوہ ہمارے پاس ایسی روایات و دلائل موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں مختلف صحابہ کرامؓ کے پاس مکمل قرآن مجید کے نسخے موجود تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس قرآن کریم کا نسخہ موجود تھا۔ اور بخاری کی روایت کے مطابق اس مصحف کی زیارت کیلئے ایک شخص عراق سے مدینہ طیبہ آیا تھا۔ (۴۲) کنزالعمال کی روایت میں ہشام بن عمروہ کہتے ہیں کہ ''میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نسخہ قرآن مجید سے تلاوت کی۔'' (۴۳)

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو قرآن مجید دیکھ کر (ناظرہ) تلاوت کرنے کی تلقین فرمائی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے قرآن مجید کے نسخے لکھنے لکھانے پر حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس سلسلے کی چند روایات حسب ذیل ہیں:

۱ - **''عن عمروؓ بن اوس قال، قال النبی ﷺ قراتک نظراً تضاعت علی قراتک ظاهراً کفضل المکتوبة علی النافلة''.** (۴۴)

یعنی عمرو بن اوس سے روایت کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ''تمہارا قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرنا اس کی زبانی تلاوت سے وہ نسب رکھتا ہے جو فرض نمازوں کو نفل نمازوں پر ہے۔

۲ - **'' عن عبادة بن الصّابتؓ قال قال النبی ﷺ افضل عبادة امتی قراء ة القرآن نظراً''** (۴۵)

''عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی افضل عبادت قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا ہے۔''

۳ - **''عن عبدالله بن زبیر قال قال النبی ﷺ من قرأ القرآن ناظراً حتی یختمه غرس الله له به الشجرة فی الجنة''** (۴۶)

مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حفاظت قرآن مجید کا انحصار صرف حافظہ پر نہ تھا بلکہ حافظہ کے ساتھ قرآن کریم کی کتابت کا بھی پورا پورا انتظام وانصرام موجود تھا۔

جہاں تک ان اشیاء کے ناقابل اعتبار ہونے کا تعلق ہے جن پر قرآن کریم کی کتابت ہوئی تھی تو یہ خیال بھی بے بنیاد ہے، مولانا مناظر احسن گیلانی نے ان اشیاء کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''بظاہر ایک عام آدمی اس بات پر حیرت کا اظہار کرے گا کہ کیا پتھر یا کھجور کے پتے پر بھی لکھا جا سکتا ہے؟ ادیم (جسے لکھنے کیلئے استعمال کیا جاتا تھا) دراصل باریک کھال سے دباغت کے بعد ایک کپڑا نما چیز بن جاتی تھی اور عربوں کے ہاں یہ عام تھی کیونکہ وہ گوشت کھایا کرتے تھے حتی کہ اس سے خیمے بھی بنایا کرتے تھے اسی طرح لخاف ہر معمولی پتھر نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ اہل لغت نے بالاتفاق لکھا ہے کہ خصوصی طور پر سفید پتھر کو کاٹ کاٹ کر چوڑی تختیاں بنائی جاتی تھیں (جیسے آج کل سنگ مرمر کی تختیاں بنائی جاتی ہیں) (م ن) ایسے ہی اونٹ کے مونڈھے کے نزدیک کی گول ہڈی طشتری کی مانند ہوتی ہے اس کو خاص طریقے سے تراش لیا جاتا تھا، عسیب، صرف کھجور کی شاخ نہیں بلکہ پام قسم کے تمام درختوں کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے وہ دراصل عسیب کہلاتا ہے۔ اسی طرح اقتاب قتب کی جمع ہے، اونٹ کے کجاوہ میں استعمال ہونے والی چھوٹی چھوٹی پھٹیاں، اقتاب کہلاتی تھیں۔ یہ بڑی تختیوں کو کاٹ کر بنائی جاتی تھیں اور چونکہ مسلسل استعمال کے بعد وہ ملائم ہو جاتی تھیں، اس لئے لکھنے کے کام میں آسانی سے لائی جا سکتی تھیں۔''

(بعض مستشرقین یہ خیال بھی ظاہر کرتے ہیں کہ ان اشیاء پر لکھائی دیرپا نہیں ہوتی)، اس کا جواب بھی مولانا نے پیش کر دیا ہے:

> ''کچھ عرصہ قبل ہندوستان میں تاڑ کے پتوں پر لکھنے کا عام رواج تھا اور عثمانیہ یونیورسٹی، دکن، میں مسلم کتب خانہ کے اندر تاڑ کے پتوں پر لکھی ہوئی کتابیں آج بھی موجود ہیں اور کاغذ سے زیادہ بہتر طور پر محفوظ ہیں اور انہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔'' (۴۷)

لیکن مستشرقین نے صحتِ قرآن مجید کے بارے میں شکوک پیدا کرنے کی پوری کوشش کی ہے تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا دارومدار صرف حفظ پر تھا اور حافظ بھی صرف چند اشخاص تھے باقی کسی کو قرآن یاد نہ تھا اور پھر حافظے پر اعتماد ہی کیا کیا جا سکتا ہے؟ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ عہد نبویؐ ہی میں حفاظتِ قرآن کریم کیلئے حفظ وکتابت دونوں وسائل استعمال واختیار کئے گئے۔ عہد نبویؐ ہی میں لاتعداد حفاظ موجود تھے اور ان کا قرآن کریم کے

ساتھ شغف اور لگاؤ بے مثال تھا۔

مستشرقین تو عہد نبویؐ کے بارے میں بات کرتے ہیں آج کے گئے گزرے دور میں بھی مسلمانانِ عالم عمل کے لحاظ سے بہت کمزور سہی لیکن قرآن کریم کی عزت وتکریم اور قرآن مجید کے ساتھ لگاؤ اور اسے حفظ کرنے کا شوق اپنی نظیر آپ ہے۔ مسلمانانِ عالم آج بھی اپنے بچوں کو دنیا جہاں سے بے نیاز کر کے قرآنِ کریم کے حفظ وصیانت کے لئے وقف کردیتے ہیں۔ قرآن کریم آج بھی مسلمانوں کے ہاں رمضان المبارک میں راتوں کو تراویح میں ذوق وشوق اور خشوع وخضوع سے سنایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی ایسی بستی کم ہی ہوگی جہاں کوئی حافظ قرآن موجود نہ ہو، جبکہ یہود ونصاریٰ کی مذہبی کتب کا کوئی ایک حافظ کبھی بھی موجود نہیں رہا۔ مستشرقین کا یہ تاثر ان کی خام خیالی ہے کہ محض چند لوگ حفاظ قرآن موجود تھے اور ان میں سے بھی کسی کو قرآن یاد ہوگا کسی نے بھلا دیا ہوگا، حالانکہ عہد نبویؐ میں حفاظ قرآن کی تعداد بہت زیادہ تھی یہ ایک دو کی بات نہ تھی بلکہ جماعت صحابہؓ کی کثیر تعداد حافظ تھی۔ علامہ بدرالدین عینی، بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں:

> **''ان الذین جمعوا القرآن علی عهد النبی ﷺ لا یحصیهم عدداً'' (۴۸)**
>
> ''عہد نبویؐ میں جن لوگوں نے قرآن مجید جمع کرلیا تھا ان کا کوئی شمار وحساب ہی نہیں ہے۔''

اس کے علاوہ بخاری شریف باب جمع القرآن ''مسلم شریف باب جمع القرآن''، ''تہذیب التہذیب''، جلد ہفتم ''الاستیعاب فی معرفة الاصحاب'' الفہرست بن الندیم، اور اتقان جلد اول میں حفاظ کرام بعہد نبویؐ کی جو فہرستیں دی گئی ہیں ان کے مطابق بھی حفاظ کی ایک کثیر تعداد بنتی ہے اور ساتھ ہی مندرجہ بالا کتب میں ان حضرات کے اسمائے گرامی موجود ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے مبارک عہد میں قرآن کریم کے مکمل نسخے تیار کر لئے تھے۔ ان تمام حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی کتابت اور حفظ کے متعلق مستشرقین کی آراء غلط فہمی کی پیداوار ہیں یا پھر شدید تنگ نظری اور تعصب پر مبنی ہیں۔

مستشرقین عہد نبویؐ میں قرآن کریم کی عدم کتابت کیلئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جمع قرآن کے حوالے سے جو روایات موجود ہیں ان میں اختلاف وتضادات ہیں لہٰذا یہ ناقابل اعتبار ہیں۔ اس حوالے سے وہ جو روایت پیش کرتے ہیں وہ ابن شہاب زہری کی یہ روایت ہے:

> **''قبض النبی ﷺ وَ لم یجمع القرآن فی شیئی'' (۴۹)**
>
> ''رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور قرآن کریم کسی جگہ جمع نہیں کیا گیا تھا۔''

ایک دوسری روایت بھی ہے اور ابن شہاب ہی سے ہے، جو ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے:

> ’’رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور قرآن جمع نہیں ہوا تھا، جو کچھ تھا وہ کھجور کی چھال اور تختیوں پر تھا۔‘‘ (۵۰)

مستشرقین نے انہی دو روایات کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے بہت اچھالا ہے، حالانکہ مسلمان مؤرخین میں سے بعض نے ان روایات کی تشریح وتوضیح کی ہے اور بعض نے ان روایات کے راوی پر تنقید کی ہے، علامہ تمنا عمادی نے عبید بن سباق کو غیر ثقہ قرار دیا ہے اور اس کے لئے مضبوط دلائل پیش کئے ہیں۔ (۵۱)

بعض نے اس روایت کو مجمل قرار دیتے ہوئے تشریح کی ہے کہ ابن شہاب نے جمع سے مراد جمع بین الدفتین لیا ہے اور ’’فی شئ‘‘ اس کا اپنا تصرف ہے۔ یا ممکن ہے روایت کا دوسرا حصہ، جو دراصل معاملے کو واضح کرتا ہے، راوی نے خود ہی چھوڑ دیا ہو یا اس سے سہواً چھوٹ گیا ہو۔ (۵۲) اس توضیح کے ساتھ اگر علامہ حارث محاسبی کا یہ بیان بھی رکھ لیں تو مسئلہ واضح ہو جاتا ہے:

> **’’کتابة القرآن لیست بمحدثة فانه ﷺ کان یامر بکتابته ولکنه کان مفرقا فی الرقاع والاکتاف واللخاف......‘‘** (۵۳)

> ’’قرآن کریم کی کتابت کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ خود حضور اکرم ﷺ اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے لیکن وہ متفرق ٹکڑوں پر تھا۔‘‘

اس کے علاوہ جہاں تک اس روایت کے ناقابل اعتبار ہونے کا تعلق ہے تو اس سلسلے کی سب سے مضبوط اور ناقابل تردید دلیل یہ ہے کہ عبید بن سباق جو حضرت زید بن ثابتؓ سے جمع قرآن کی روایت کرتے ہیں کی پیدائش ۴۸ھ ہے اور حضرت زید بن ثابتؓ کی وفات ۵۰ھ ہے۔ (۵۴)

لہٰذا دو سال کا بچہ اتنی اہم روایت کیسے کر سکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ تمنا عمادی نے ثابت کیا ہے۔ لہٰذا اس روایت کو تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا۔

مستشرقین نے ’’الاتقان‘‘ میں موجود روایت کا بڑی شد و مد سے ذکر کیا ہے لیکن جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا گیا کہ مسلمان مؤرخین کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی موضوع پر پائی جانے والی تمام روایات کا ذکر کر دیتے ہیں جو علمی دیانتداری کا تقاضا بھی ہوتا ہے اور پھر اسی کے ساتھ ساتھ اپنا تحقیقی نقطۂ نگاہ بھی پیش کر دیتے ہیں۔ اس طریقہ کار کی روشنی میں ہر کوئی حقیقت حال سے واقف ہو جاتا ہے کہ ان تمام پیش کردہ روایات میں اصل اور حقیقی روایت کون سی ہے۔

اسی ’’الاتقان فی علوم القرآن‘‘ میں اسی باب میں یہ روایت بھی تو موجود ہے:

> **’’کنا عند رسول اللہ ﷺ نؤلف القرآن من الرقاع.‘‘** (۵۵)

امام سیوطی نے اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم کے معیار کی روایت قرار دیا ہے۔ (۵۶) ظاہر ہے کہ بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق مروی روایت کے مقابلے میں کوئی دوسری روایت معتبر نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور بھی بظاہر متضاد روایات کی تطبیق محققین نے بدرجہ اتم کی ہے۔ (۵۷)

کتابت اور حفاظت قرآن کریم کے متعلق نبی کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپؐ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپؐ کاتبین وحی میں سے ایک کاتب کو یہ نازل شدہ آیت یا آیات خود لکھواتے۔ ایسے ہی مواقع پر کاتبین وحی اور حاضرین مجلس بھی اپنے اپنے مصاحف میں یہ آیات شامل کر لیتے۔ طبقات ابن سعد تاریخ طبری اور صحاح ستہ میں موجود کاتبین وحی کے اسمائے گرامی اگر جمع کیے جائیں تو ان کی تعداد درجنوں تک پہنچ جاتی ہے۔ (۵۸)

تدوین اور جمع قرآن کریم کے حوالے سے گذشتہ صفحات پر جو گزارشات پیش کی گئیں ان سے مندرجہ ذیل پہلو بالکل واضح انداز میں سامنے آتے ہیں:

۱- نبی کریم ﷺ وحی کے معاملے میں تمام نبوی اور بشری صلاحیتیں بروئے کار لا کر نزول وحی اور کتابت وحی کے درمیان کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر حفاظت اور کتابت قرآن میں تکمیل قرآن تک مشغول رہے۔

۲- وحی کی کتابت کیلئے کاتبانِ وحی اور سامان کتابت ہر وقت آپؐ کے پاس موجود رہتے تھے۔

۳- کاتبانِ وحی کو وحی لکھوانے کے بعد ان سے پڑھوا کر سنتے تھے۔ اگر کہیں زیر زبر کی کمی بیشی ہوتی تو صحیح کروا دیتے۔

۴- نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں قرآن کریم کے متعدد مکمل نسخے وجود میں آ چکے تھے۔

۵- حفظ کے ذریعے تلفظ کی حفاظت ہوتی تھی اور کتابت کے ذریعے رسم الخط کی حفاظت علماء کے ہاں قرآن کا رسم الخط بھی توقیفی ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کی موجودگی میں مستشرقین کی طرف سے محض مفروضات اور قیاس آرائیوں کی بنیاد پر قائم کی گئیں یہ آراء کہ تدوین کے دوران قرآن کریم کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا تھا، گمان اور ظنِ باطل کے سوا کچھ نہیں۔ تاریخ میں محقق روایات، اور گمان اور قیاس پر مبنی خیالات، کا مقابلہ غیر جانبدار محققین پر بخوبی واضح ہے۔

جمع و تدوین کے علاوہ مستشرقین نے قرآن کریم پر اور بھی بہت سے بے بنیاد اعتراضات اپنی تصنیفات میں کیے ہیں اور ان تمام مصنفین کی تصنیفات کا نچوڑ (Essence/Gist) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں پیش کیا گیا ہے۔ ان میں زیادہ تر وہ اعتراضات ہیں جن کے متعلق علمائے اسلام اور مؤرخین نے تفصیل سے لکھا ہے۔ لہٰذا یہاں پر ان کا ذکر اور جائزہ تکرار ہوگا مثلاً حروف سبعہ، اور قرآن میں نظم اور ترتیب کا فقدان مضامین قرآن میں تکرار، چونکہ ان موضوعات پر جدید علمائے اسلام کی نادر و شاہکار تصانیف موجود ہیں۔ لہٰذا اسی بحث کے آخر میں مستشرقین کی طرف سے

قرآن کریم پر وارد کردہ دو ایسے اعتراضات کا ذکر کیا جائیگا جسے پڑھ کر ایک طرف مستشرقین کے اعتراض برائے اعتراض کا رویہ سامنے آتا ہے اور دوسری طرف ان اعتراضات کی نوعیت دیکھ کر ان کی قرآن کریم کے علوم، اسالیب اور معجزاتی پہلو سے کم علمی بلکہ لاعلمی پر افسوس کے ساتھ ساتھ ہنسی بھی آتی ہے، مثلاً انسائیکلو پیڈیا برٹنیکا کے ممتاز مقالہ نگار اور یورپ میں قرآن کریم کی تاریخ تدوین اور مضامین وعلوم کے حوالے سے ٹھوس علمی مباحثہ شروع کرنے والے سکالر تھیوڈر نولڈیکے (To Noldeke) لکھتے ہیں کہ:

> ”قرآن کریم میں کچھ تاریخی شخصیات و واقعات غلط طور پر پیش کئے گئے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ چونکہ محمدؐ نے یہ واقعات مختلف لوگوں سے زبانی سنے تھے لہٰذا آپؐ کو ان کے بیان کرنے یا سمجھنے میں غلطی لگ گئی اور آپؐ نے ان واقعات اور شخصیات کو حقیقت کے برعکس پیش کیا ہے“ (۵۹)

ان واقعات وشخصیات میں ایک شخصیت حضرت مریمؑ کی ہے اور لکھا ہے کہ

”قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کو غلط طور پر متعین کرتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کی والدہ کو بھی بنت عمران قرار دیا ہے۔“ (۶۰) لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ موصوف نے حضرت مریم کے والد کا صحیح نام نہیں بتایا ہے۔ اور اسی انسائیکلوپیڈیا میں حضرت مریمؑ پر موجود مقالہ میں بھی یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ حضرت مریمؑ کے والدین کے متعلق پہلی صدی عیسوی کی کسی تاریخی دستاویز میں کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔ (۶۱) جبکہ قرآن کریم میں نہ صرف حضرت مریمؑ کے والد کا نام بتایا گیا ہے بلکہ آپؑ کی پیدائش، تربیت، بچپن اور دیگر بہت سے وہ حالات بھی بیان کئے گئے ہیں جن کے متعلق عیسائیوں کے مستند ماخذ خاموش ہیں۔ قرآن مجید نے حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو معلومات منظر عام پر لائے ان کے متعلق ”ڈکشنری آف دی بائبل“ میں یوں لکھا گیا ہے:

> ”شروع شروع میں عیسائی دنیا ان انکشافات پر اعتراض کرتی رہی مگر اب خود عیسائیت کی ایسی کتابیں دریافت ہو رہی ہیں جن میں قرآن کریم کے بیان کردہ حقائق بیان کئے گئے ہیں۔“ (۶۲)

اس کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا برٹنیکا کے مقالہ نگار نے ”فرعون“ کے وزیر ”ہامان“ کے متعلق بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ پاکستان کے معروف عالم دین مولانا تقی عثمانی نے اپنی تصنیف ”علوم القرآن“ میں اس کا مثبت جواب دیا ہے۔ (۶۳)

اس کے علاوہ مستشرقین کے بعض اعتراضات کے جوابات ڈاکٹر محمد میاں صدیقی صاحب کی مدون کردہ ”علوم القرآن“ کے مقالہ نگاروں نے بھی فراہم کئے ہیں لہٰذا **فمن شاء فلیراجعه** (۶۴)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ القرآن سورۂ الحجر: ۹
۲۔ القرآن سورۂ حم السجدۃ: ۴۲
۳۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، اسلامک سٹڈیز کا مقصد اور اس کی تاریخ، ’’المعارف‘‘ اعظم گڑھ۔ جون ۱۹۷۰
۴۔ Encyclopadea, Britinica, vol. 13 p. 483
۵۔ The Koran, Preface p. 50
۶۔ الاستشراق، دراسات تحلیلیة تقویمیة، ص: ۸۸
۷۔ First Enclyclopaedea of Islam, (1913 - 1936), Vol. IV, p. 1076
۸۔ Burton, J. Collection of the Quran, Cambridge, 1977, p. 232
۹ Ibid p. 232
۱۰۔ D.S. Margoliouth, Muhammadanism, London, 1928, p. 40
۱۱۔ Buhl, First Encyclopaedia of Islam, Liden, 1978, p.40 (Article Koran) pp. 1063, 1076
۱۲۔ Bell, Richard, Introduction to the Quran, Edinburgh, p. 24
۱۳۔ D.S. Margoliouth, Encyclopaedia, of Religion and Ethics, Edinburgh, 1930, Vol. X p. 538
۱۴۔ Arthur Jefery, Material for the Study of the Text of the Qur'an, Liden, p. 5, 6
۱۵۔ Ibid. p. 1
۱۶۔ Under Koran, p. 1068, 1069; Vol. IV
۱۷۔ القرآن، سورۂ الاحزاب: ۴۰
۱۸۔ القرآن، سورۂ العنکبوت: ۴۹
۱۹۔ علامہ تمنا عمادی پھلواری، جمع القرآن، الرحمٰن پبلیشنگ ٹرسٹ، کراچی، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۵۹
۲۰۔ علی المتقی، کنز العمال، ۱/۲۱۷
۲۱۔ Sir William Muer, The Life of Muhammad, Vol.1 p. 75
۲۲۔ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، قاہرہ۔ س ن، ۱/۱۰۰؛ نفس المصدر؛ صبحی صالح۔ مباحث فی علوم القرآن، منشورات الرضی، قم، ایران، ۱۹۶۸ء، ص: ۷۶
۲۳۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص: ۷۷
۲۴۔ Catani, under article Quran, Encyclopaedea of Islam, p. 1068

۲۵۔ Encyclopedia of Islam, p. 1068, (مصنف انسائیکلوپیڈیا نے اتقان، ۷۳/۱ کا حوالہ دیا ہے جہاں پر واقعی یہ روایت موجود ہے)

۲۶۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص: ۷۷

۲۷۔ علامہ تمنا عمادی پھلواری، جمع القرآن، ص: ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۷

۲۸۔ First Encyclopedia of Islam, p. 1068

۲۹۔ در صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، ص: ۱۹، ۲۰

۳۰۔ القرآن، سورۂ القیامۃ: ۱۷-۱۶

۳۱۔ غلام مرتضی ملک، انوار القرآن، سروسز بک کلب، ۱۹۹۷ء، ۷۴۷/۲ (تفسیر سورۂ رحمٰن)

۳۲۔ Under title Koran, p. 1063

۳۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب فضائل القرآن۔ ص: ۸۴۶

۳۴۔ مودودیؒ، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج ۶، تفسیر سورۃ الفلق: ۱

۳۵۔ مودودیؒ، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن سورۃ القیامۃ: ۱۹-۱۶

۳۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب فضائل القرآن

۳۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب فضائل القرآن

۳۸۔ صحیح بخاری، کتاب جمع القرآن باب فضائل القرآن، طبقات ابن سعد، ۲۰۱/۳

۳۹۔ First Encyclopedia of Islam, p. 1068

۴۰۔ ابوداؤد، کتاب الطب، باب الرقیٰ

۴۱۔ مولانا تمنا عمادی، جمع القرآن۔ ص ۲۰۱ تا ۲۰۳

۴۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب تالیف القرآن

۴۳۔ علی المتقی، کنز العمال، بیروت ۱۹۷۹ء، ۲۴۵/۷

۴۴۔ ابن کثیر عماد الدین، حافظ، تفسیر القرآن، ۶۱۷/۴

۴۵۔ علی المتقی، کنز العمال، ۵۲۶/۱

۴۶۔ ایضاً، ۵۴۹/۱

۴۷۔ مولانا غلام ربانی، تدوین قرآن، (از افادات مناظر احسن گیلانی)، دہلی ۱۹۵۱، ص ۴۷

۴۸۔ بدر الدین عینی، عمدۃ القاری، ۲۸/۱۰

۴۹۔ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۵۸/۱

۵۰۔ محمد ابن جریر الطبری، جامع البیان عن تاویل ای القرآن، مصر، ۱۹۶۸ء، ۲۸/۱

۵۱۔ علامہ تمنا عمادی، جمع القرآن، ص: ۱۲۰، ۱۳۰

۵۲۔ ڈاکٹر حافظ محمود اختر، ”تاریخ تدوین قرآن“ در ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۹۸ء ص ۱۰۱

۵۳۔ ابن جریر طبری، جامع البیان، ۶۰/۱

۵۴۔ خیر الدین الزرکلی، ''الاعلام'' مصر، ۱۹۲۷ء، ۳۴۴/۱

۵۵۔ السیوطی۔ الاتقان، ۶۸/۱

۵۶۔ السیوطی۔ الاتقان، ۵۸/۱

۵۷۔ خود ''اتقان'' میں صفحات ۵۸ تا ۶۰ پر اس کی مثال موجود ہے۔

۵۸۔ مولانا عبدالطیف رحمانی، تاریخ القرآن، پروگریسو بکس، لاہور، ص: ۱۹

۵۹۔ Encyclopedia Britannica, voll. XIII, p. 483

۶۰۔ Dictionary of the Bible, London ed. by John Mckenzie, p. 552

۶۱۔ Dictionary of the Bible, p. 552

۶۲۔ مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، کراچی، ۱۹۷۰ء، ص: ۲۶۰

۶۳۔ ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، علوم القرآن، ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء